کی خبر خدا جانے " کہہ کر بات ٹال دیتا ہے حالاں کہ خود زندگی کے واقعات وحالات گواہی دیتے ہیں کہ بات اسی زندگی پر نہ ختم ہونی چاہیئے بلکہ اس سے آگے بھی کچھ ہونا چاہیئے جس میں مظلوم کی دادرسی اور ظالم کی پکڑ ہو، اچھے کو اچھائی کی جزا اور برے کو برائی کی سزا ملے، یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ موت کے بعد بھی زندگی تسلیم کی جائے، موت پر زندگی ختم نہ ہو بلکہ اس کے بعد بھی جاری رہے، دراصل زندگی کا سلسلہ بہت طویل ہے موت کی حیثیت درمیان میں "وقفہ" کی ہے کہ اس کے بعد آگے کی منزل طے کرنی ہے، جزاء اور سزا کو سمجھنے میں موت کے بعد کی زندگی کو نظر انداز نہ ہونے دینا چاہیئے کہ اصل حساب کا دن زندگی کا وہی حصہ ہے جو موت کے بعد ہے۔

(۲) اچھے کام کی جزاء میں تاخیر ہوتی اور برے کام کی سزا میں مہلت و ڈھیل دی جاتی ہے۔ بسا اوقات زیادہ تاخیر اور ڈھیل سے غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے حالانکہ یہ غلط فہمی بھی زندگی کے تمام گوشوں کو سامنے نہ رکھنے اور دنیا کا نظام چلانے میں جن جن رعایتوں کی ضرورت ہوتی ہے ان سے واقف نہ ہونے سے پیدا ہوتی ہے، فوری جزاء اور سزا دینے میں انسان کی حالت بدل جائے یا نظام عالم میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہو سکتا ہے، انسان کے سامنے ایک پہلو یا چند کام ہوتے ہیں اور اللہ کے سامنے سارے پہلو اور سارے کام ہوتے ہیں۔ تاخیر اور ڈھیل میں ان سب کو ملحوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ جس کے بغیر کوئی نظام نہیں چل سکتا۔

(۳) اللہ مالک و مختار ہے کسی کے تابع نہیں ہے اس کے فضل خاص و رحمت خاصہ کا ایک "خانہ" ہے اور بڑا خانہ ہے جس کے لیے یقیناً قاعدہ و قانون مقرر ہیں لیکن وہ انسان کی دسترس سے باہر ہیں۔ واقعات و حالات سے بیشک فضل خاص و رحمت خاصہ کا پتہ لگایا جا سکتا ہے لیکن ان کو قاعدہ و قانون میں سمیٹنا اور جزاء و سزا کے عام قانون کے تحت سمجھنا آسان نہیں ہوتا۔

(۴) کسی سے کوئی بڑا اور خاص کام لینا ہوتا ہے۔ جو عام حالات میں نہیں انجام پا سکتا ہے یا عام قانون کے تحت اس کو نہیں لایا جا سکتا ہے تو اس کے لیے خاص حالات پیدا کیے جاتے ہیں اور خاص قانون کے تحت لایا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کو سخت آزمائشوں سے گذارا جاتا اور اس کے دل و دماغ کے "آئینہ" کو آزمائشوں کے پتھر سے کچلا جاتا ہے جس کے بعد وہ چمک پیدا ہوتی ہے جو اس خاص یا بڑے کام کے لیے درکار ہوتی ہے۔

(۵) زندگی ہی میں یا موت کے بعد اللہ کسی کو خاص درجہ و مقام دینا چاہتا ہے۔ جو عام حالات میں نہیں دیا جا سکتا ہے تو اس کے لیے بھی خاص حالات پیدا کیے جاتے ہیں جن کے لیے خاص آزمائشیں

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

ہوتی ہیں جن سے گذارنا پڑتا ہے اس قسم کے بہت سے مواقع اور بہت سی شکلیں ہوتی ہیں جن کو جزاء وسزا کے عام قانون کے تحت سمجھنے کی کوشش ہوتی ہے جو عام حالات کے لحاظ سے ہوتے ہیں حالانکہ ان کو خاص قانون کے تحت سمجھا جا سکتا ہے جو خاص حالات کے لحاظ سے ہوتے ہیں ان تک رسائی نہ ہونے کی وجہ سے غلط توجیہ کی جاتی اور طرح طرح کی غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔ غرض عام حالات ہوں یا خاص حالات ہوں عام قانون کے تحت ہوں یا خاص قانون کے تحت ہوں، فضلِ خاص ہو یا رحمت خاصہ کی شکل ہو نتیجہ کے لحاظ سے ابتداءً اعمال کے جزا ہی تک بات پہونچائی جاتی ہے اگرچہ وہ بیحد وحساب ہو۔ یہ علٰحدہ بات ہے کہ ہماری ناقص معلومات کی بنا پر وہ اعمال نہ سمجھ میں آئیں جن کی جزا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جگہ جگہ جزا و سزا کے قانون کو کسب (کمائی) سے تعبیر کیا ہے۔ مثلاً

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ (سورۂ مدثر آیت ۳۸)

ہر جان اپنی کمائی کے بدلہ میں گرو ہو گی۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ

(سورہ بقرہ آیت ۲۸۲)

ہر ایک کے لیے وہی کچھ فائدہ ہے جو اس نے کمایا اور اسی کا مواخذہ ہے جو اس نے کمایا اسی اچھی کمائی سے اللہ کی رضا و خوشنودی حاصل ہوتی اور بُری کمائی سے اس کی ناراضگی و ناخوشی ہوتی ہے۔

یہاں یہ بات خاص طور سے غور کرنے کی ہے کہ اللہ کے تعارف میں تین صفتیں ذکر کی گئیں (۱) ربوبیت (۲) رحمت اور (۳) عدالت۔ کسی قہر وغضب کی صفت کا ذکر نہیں ہے، ربوبیت پرورش کرتی ہے۔ رحمت بخشش کے دریا بہاتی ہے اور عدالت سے فساد وخرابی دور ہو کر بناؤ وخوبی پیدا ہوتی ہے۔ اللہ کا قہر وغضب مستقلاً نہیں ہے کہ اس کو خوف ودہشت کی طاقت سمجھا جائے اور اس کے قہر وغضب کو ٹھنڈا کرنے کے لیے کسی کی پرستش کی جائے یا اس پر قربانی وغیرہ چڑھائی جائے۔ بظاہر جس قدر بھی قہر وغضب کی شکلیں نظر آتی ہیں وہ عدل وانصاف کے تحت فساد وخرابی دور کر کے بناؤ وخوبی پیدا کرنے کے لیے ہوتی ہیں جس طرح ڈاکٹر بدن کی اصلاح کے لیے پھوڑے کا اپریشن کرتا ہے یا شفیق استاد بچہ کی تربیت کے لیے اس کی شرارت پر تنبیہ کرتا ہے اور اس کا تمام تر فائدہ مریض اور بچہ کو پہونچتا ہے اسی طرح فساد وخرابی دور کرنے کے لیے جس قدر اللہ کی طرف سے اپریشن یا تنبیہ کی ضرورت ہوتی ہے اس کا تمام تر فائدہ انسان ہی کو پہونچتا ہے اصلاً قہر وغضب کی بات وہاں بنتی ہے جہاں اس کی ذات کا سوال ہو، اللہ ہر چیز سے بے نیاز ہے اس کو کسی چیز کی احتیاج نہیں ہے

باقی ص ۲۷ پر

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

حیاتِ سلیمانی کا ایک اہم ورق

(سید سلیمان ندویؒ اور ادارۂ الہلال)

ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری

مولانا سید سلیمان ندوی کی زندگی کا ایک اہم واقعہ ادارہ الہلال کلکتہ میں بطور اسسٹنٹ ایڈیٹر کے ان کی شمولیت ہے۔ اس دور کے اخبارات و رسائل میں الہلال پہلا رسالہ تھا جس کے ایڈیٹوریل اسٹاف میں وقت کے چند ایسے اہل علم نے کام کیا جو بعد میں علم و تحقیق کی دنیا میں بہت مشہور ہوئے اور علم و ادب، تاریخ و سیاست، تحقیق و تصنیف اور صحافت میں انہوں نے اپنے نقش قدم دوسروں کے لئے رہنما چھوڑے ان میں سید سلیمان ندوی نے علم و تحقیق میں جو مقام پیدا کیا اور ان کے قلم کو سند و اعتبار کا جو درجہ ملا، وہ کسی کے حصہ میں نہیں آیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد سے سید سلیمان ندوی کی ملاقات ۱۹۰۵ء کے اواخر میں لکھنؤ میں ہوئی تھی۔ سید صاحب اس وقت تک تعلیم سے فارغ نہیں ہوئے تھے وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں زیر تعلیم تھے۔ علامہ شبلی ۱۹۰۴ء میں حیدرآباد دکن سے ترک تعلق کر کے لکھنؤ پہنچے تھے اور ندوۃ العلماء کی نظامت اور الندوہ کی ادارت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی۔ مولانا آزاد سے ان کی ملاقات بمبئی میں ہو چکی تھی اور انہوں نے اندازہ کر لیا تھا کہ اگر جوہر قابل کی تربیت پر توجہ دی جائے تو اس کے فکر و نظر اور علم و تحقیق کی چمک دمک ایک دنیا کو اپنی طرف متوجہ کرے گی۔ مولانا آزاد کو علامہ مرحوم کے علم و فضل نے متاثر کیا۔ وہ ان کے علمی و فکری کارناموں سے پہلے ہی واقف تھے۔ ستمبر یا اکتوبر ۱۹۰۵ء میں مولانا آزاد ایک روز لکھنؤ پہنچ گئے اور حضرت علامہ مرحوم کی ملاقات سے خوش وقت ہوئے۔ حضرت مرحوم نے انہیں "الندوہ" کا نائب مدیر مقرر کر دیا۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء کا شمارہ مولانا نے مرتب کیا تھا۔ وہ کئی ماہ تک مسلسل لکھنؤ میں مقیم اور مارچ ۱۹۰۵ء تک الندوہ کو مرتب کرتے رہے۔ لکھنؤ میں اسی قیام

© rasailojaraid.com

کے دوران میں مولانا آزاد کی ملاقات ان چند حضرات سے ہوئی جنہوں نے نہ صرف ندوۃ العلماء کی تاریخ اور فضلاءِ ندوہ کی صف میں امتیاز حاصل کیا بلکہ اپنے علمی کاموں کی بدولت ہندوستان پاکستان کی تاریخ ادب وثقافت اور دنیاء علم وتحقیق میں اپنا مستقل مقام پیدا کر لیا۔ ان حضرات میں مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا مسعود علی ندوی، مولانا عبدالسلام ندوی، مولانا عبدالباری ندوی اور مولانا عبدالرحمٰن ندوی نگرامی شامل ہیں۔ یہ سب حضرات علامہ شبلی مرحوم کے چہیتے شاگرد اور مولانا آزاد حضرت مرحوم کے مہمان عزیز اور الندوہ کے نائب مدیر تھے۔ اس زمانے میں ان حضرات کے مولانا آزاد سے جو دوستانہ روابط ہوتے وہ زندگی بھر قائم رہے۔ ان میں سے مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا عبدالسلام، مولانا آزاد کے الہلال میں معاون بھی رہے اور مولانا عبدالرحمٰن ندوی نگرامی نے ۱۹۲۱ء میں مولانا آزاد کے اخبار پیام کلکتہ میں ان کی رہنمائی میں کام کیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد چند ماہ کے بعد لکھنؤ سے امرتسر چلے گئے اور "وکیل" کے مدیر مقرر ہوئے۔ اسی سال کے آخر میں وکیل سے قطع تعلق کر کے کلکتہ چلے گئے۔ ۱۹۰۷ء کے شروع میں دارالسلطنت کے اجرا کا ڈول ڈالا لیکن یہ سلسلہ چند ماہ سے زیادہ قائم نہ رہا۔ اس لئے دوبارہ پھر وکیل میں چلے گئے۔ امرتسر میں وکیل کی ادارت کے دوران میں بعض ایسے واقعات پیش آئے کہ انہوں نے اپنا اخبار نکالنے کا فیصلہ کر لیا۔ اگرچہ اس کے اجرا کے انتظام میں نیز عراق کے سفر کی وجہ سے کئی سال گذر گئے اور الہلال کا پہلا پرچہ ۱۳ جولائی ۱۹۱۲ء کو نکل سکا۔

مولانا آزاد کو الہلال میں اپنے معاونین کی ضرورت پیش آئی تو سب سے پہلے نظر حضرت علامہ شبلی مرحوم کے حلقہ علمی پر پڑی کہ مولانا آزاد کے افکار وخیالات سے قریب اور مخلص وہی حضرات تھے۔ مولانا ان کے فکر ونظر اور ان کے قلم پر اعتماد کر سکتے تھے۔ چنانچہ اس حلقے سے عبدالواحد ندوی، مولانا عبدالسلام ندوی اور سید سلیمان ندوی الہلال کے اسٹاف میں شریک ہوئے۔ ایک اور حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی رکن الدین دانا ندوی سہسرامی بھی کچھ عرصہ الہلال میں رہے تھے۔ مولانا عبداللہ العمادی کا تعلق اگرچہ فضلاء ندوہ سے نہ تھا لیکن وہ بھی حضرت شبلی مرحوم

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

کے مخلص اور اسی دائرہ خیال کے فاضل تھے۔ الہلال کے اسٹاف میں مندرجہ ذیل حضرات نے مختلف اوقات میں کام کیا۔

۱۔ مولوی عبدالواحد ندوی۔ یہ صاحب کان پور کے رہنے والے تھے۔ الہلال میں سید صاحب سے پہلے گئے تھے۔ الہلال میں ان کے ذمے عربی اخبارات سے نقل واقتباس اور ترجمہ کا کام تھا۔ سید سلیمان ندوی نے اکتوبر ۱۹۱۲ء کے خط میں انکے رخصت پر ہونے کا ذکر کیا ہے۔ مولانا عبدالماجد دریا بادی نے مکتوبات سلیمانی کے حاشیے میں لکھا ہے کہ مولوی عبدالواحد ندوی کانپوری اس وقت الہلال کے اسٹاف میں تھے۔ بعد کو ایم اے کر کے کانپور کے کسی کالج میں فارسی کے پروفیسر ہو گئے تھے۔ فروری ۱۹۶۳ء میں جب مولانا دریا بادی مکتوبات سلیمانی کو مرتب کر رہے تھے، موصوف کانپور میں موجود تھے۔

۲۔ مولانا عبداللہ العمادی۔ عمادی صاحب جونپور کے رہنے والے، اپنے وقت کے منجھے ہوئے صحافی، نہایت قابل اور صاحبِ استعداد شخص تھے۔ الہلال سے قبل البیان اور الندوہ لکھنؤ اور وکیل اور تہذیب الاخلاق امرتسر اور کئی دوسرے اخبارات ورسائل میں خدمت انجام دے چکے تھے۔ وہ ہلکے پھلکے مضامین "خدا بندہ" کے نام سے لکھتے تھے جو "عبداللہ" کا ترجمہ ہے۔ سید صاحب نے ۲۶۔ اکتوبر ۱۹۱۳ء کے اپنے خط میں لکھا ہے کہ مولانا عمادی ایک مہینہ ہوا کہ رخصت پہ گھر گئے اور اب ان کی مراجعت کی امید ضعیف ہے۔ واقعہ بھی یہی ہوا کہ وہ پھر لوٹ کر نہیں آئے۔ مولانا دریا بادی نے ان کے لئے "مشہور اہل قلم اور علوم اسلامی کے ماہر" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ بعد میں دائرۃ المعارف اور کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد (دکن) سے وابستہ ہو گئے تھے۔ ۲۸ر اگست ۱۹۴۷ء کو وطن سے دور دکن میں انتقال کیا اور وہیں پیوند خاک ہوئے۔

۳۔ مولانا عبدالسلام ندوی۔ ندوہ کے فاضل، علامہ شبلی کے خاص شاگرد اور ندوہ میں ان کی پالیسی کے ترجمان بلکہ مجاہد تھے۔ الہلال میں سید صاحب سے پہلے شریک ہوئے اور بعد تک رہے۔ ۱۹۱۴ء کے شروع میں جب ندوۃ العلماء کے حالات دگرگوں ہوئے، اور انتظامیہ، عملے اور طلبہ میں اختلافات پیدا ہوئے تو انہوں

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

نے کھل کر علامہ شبلی مرحوم کا ساتھ دیا اور ایک مدت تک لکھنؤ میں رہ کر انتظامیہ کے خلاف تحریک کی رہنمائی کی۔ ندوہ میں طلبہ کی اسٹرائک ان ہی کے ایک مضمون کی وجہ سے ہوئی تھی۔ علامہ شبلی مرحوم کو سیرت نبوی کی تالیف میں انہوں نے بہت مدد دی، اور اس سلسلے میں حضرت مرحوم کے لٹریری اسسٹنٹ کے طور ان کے ساتھ رہے آخر ۱۹۱۴ء میں وہ کچھ دن کے لئے الہلال میں دوبارہ آ گئے تھے۔ اور نومبر ۱۹۱۴ء میں الہلال بند ہونے تک اس میں رہے ہے۔

ہم نے یہاں لفظ "دوبارہ" استعمال کیا ہے۔ لیکن اگر صورت حال یہ ہے کہ انہوں نے ۱۹۱۳ء کے آخر میں رسمی طور پر الہلال سے تعلق منقطع نہ کیا ہو اور طویل رخصت پر وہ ہوں تو خواہ رخصت کی مدت کتنی ہی طویل ہو، رخصت کے بعد کام شروع کرنے کے لئے "دوبارہ" کا لفظ استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔

مولانا عبدالسلام ندوی کا ایک مضمون "الاعتصاب فی الاسلام" کے عنوان سے الہلال میں نکلا جو بہت مشہور ہوا۔ "الاعتصاب" کا لفظ ہڑتال اور اسٹرائک کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ ہڑتال کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر سے بحث دارالعلوم ندوۃ العلماء کے طلبہ کی اسٹرائک سے چھڑ گئی تھی۔ مولانا عبدالسلام کا یہ مضمون ۲۹ جولائی ۱۹۱۴ء سے لے کر ۹ ستمبر ۱۹۱۴ء تک پانچ قسطوں میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعض خیالات پر مولانا شبیر احمد عثمانی نے ان کا تعاقب بھی کیا لیکن مولانا عبدالسلام کا یہ مضمون اپنے دلائل کی محکمی اور استدلال کی پختگی میں آج بھی اس موضوع پر حرف آخر ہے۔

۴۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے ۳۱ جنوری ۱۹۱۴ء کے مکتوب بنام مولانا عبدالماجد دریابادی میں لکھا ہے!

"مولوی رکن الدین نے لکھا تھا کہ "مشرق" میں الہلال کے متعلق ہاشمی نذیری نے کچھ لکھا ہے، جو کچھ دنوں کے لئے میرے بعد الہلال میں گئے تھے۔"

مولانا دریابادی نے اس پر حاشیے میں واضح کیا ہے کہ مشرق گورکھپور مسلک میں الہلال کا مخالف تھا اور شاہ نذیر ہاشمی غازی پوری اپنے زمانے کے مشہور صحافی اور مشرق کے ہمنوا تھے اور تعجب کیا ہے کہ شاہ نذیر صاحب اپنے خیالات

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

کے ساتھ الہلال سے منسلک ہوئے۔ لیکن میرے خیال میں "جو" کی ضمیر مولوی رکن الدین رانا ندوی سہسرامی کی طرف راجع ہے نہ کہ شاہ نذیر ہاشمی کی طرف۔

۔ نذیر ہاشمی کی الہلال سے وابستگی کا اب تک کوئی اور ثبوت نہیں ملا۔ جب کہ مولانا صاحب کی الہلال سے وابستگی یا کم از کم الہلال میں انکی موجودگی کا پتا سید سلیمان ندوی کے نام مولانا آزاد کے ایک خط مورخہ جنوری ۱۹۱۴ء ہی سے چلتا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں۔

"مولوی آزاد سبحانی کے متعلق اور لوگوں کا بھی یہی بیان ہے۔ یہاں بھی وہ آتے تھے، میں نہ تھا۔ مولوی رکن الدین میں اور ان میں سخت مجادلہ ہو گیا۔ انہوں نے کہا کہ میری کامیابی میری قوتِ بیانیہ کا نتیجہ ہے۔ رانا صاحب نے نہ مانا۔

اس اقتباس سے غیر مشتبہ طور پر جو بات سامنے آتی ہے، وہ الہلال میں رانا صاحب کی موجودگی ہے نہ کہ شاہ نذیر ہاشمی غازی پوری کی! اس لئے میرا خیال ہے کہ سید صاحب کے الہلال سے نکلنے کے بعد مولوی رکن الدین رانا ندوی سہسرامی کچھ عرصے کے لئے الہلال کے اسٹاف میں شریک ہوئے ہوں گے۔

۵ - علامہ سید سلیمان ندوی - الہلال سے سید صاحب کی وابستگی اور علیحدگی کی قطعی تاریخ تو معلوم نہیں ہوئی لیکن اکتوبر ۱۹۱۳ء میں وہ الہلال میں موجود تھے اور خود ان کی اپنی تصریح کے مطابق چار یا پانچ مہینے الہلال سے وابستہ رہے تھے۔ مکتوبات سلیمانی میں مولانا عبدالماجد دریابادی کے ایک حاشیے سے معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب مئی ۱۹۱۳ء میں الہلال میں چلے گئے تھے۔ اس لئے ہمیں مئی اور اکتوبر کے درمیان ان چار پانچ مہینوں کا تعین کر لینا چاہیئے۔ انسلاک و ترک کی قطعی تاریخوں کا تعین پیش نظر مواد کی روشنی میں مشکل ہے

مولانا عبدالماجد دریابادی کے نام سید سلیمان ندوی نے ۲۲ اکتوبر ۱۹۱۳ء کے خط میں لکھا تھا کہ وہ الہلال سے دل برداشتہ اور وہاں سے نکلنے اور روانہ ہوجانے کے لئے پابہ رکاب ہیں" اور بلاشبہ اس کے چند ہی دن کے بعد انہوں نے کلکتہ چھوڑ دیا۔ اور پونا کالج میں عربی، فارسی کے اسسٹنٹ پروفیسر ہو کر چلے گئے۔ سید صاحب نے یہ فیصلہ اپنے استاد حضرت علامہ شبلی مرحوم کے مشورے سے

© rasailojaraid.com

کیا تھا اور علامہ مرحوم ہی کے ایما سے وہ الہلال میں گئے تھے - دراصل پونا کالج میں سید صاحب کی ملازمت کا انتظام حضرت علامہ ہی نے کیا تھا -

مولانا ابوالکلام آزاد چونکہ الہلال کو ایک خاص انداز سے چلانے، البصائر کے نام سے ایک علمی مجلے کے اجراء اور دعوت قرآنی کو پھیلانے اور ملت اسلامیہ کی بیداری کی تحریک کو چلانے میں اس مجمع علمی سے کام لینا چاہتے تھے، اس سلسلے میں انہیں سید صاحب کی علمی و فکری صلاحیتوں پر خاص اعتماد اور اس تحریک میں ان کے بہترین تعاون کی توقع تھی۔ سید صاحب نے الہلال کو چھوڑنے اور پروفیسری قبول کرلی۔ یہ فیصلہ مولانا آزاد کے مشورہ و علم کے بغیر کیا تھا اس لئے انہیں سید صاحب کے فیصلے سے قلق ہوا اور صاف لفظوں میں اس کا اظہار بھی کر دیا۔ نومبر، دسمبر کے کئی خطوں میں مولانا نے سید صاحب کو الہلال میں دوبارہ آنے اور الہلال کو اسے کلیتہً اپنے ہاتھ میں لے لینے کی پیش کش کی لیکن سید صاحب جو فیصلہ کر چکے تھے اس پر قائم رہے اور شاید اسی اٹل فیصلے کا نتیجہ تھا اور تعلقات کا لحاظ کہ انہوں نے کسی خط کا صاف جواب نہ دیا - آخر کار ۹ جنوری ۱۹۱۴ء کو مولانا آزاد نے انہیں ایک آخری رجسٹری خط لکھا اور لیت و لعل کے بجائے لا و نعم میں ان سے جواب دینے پر اصرار کیا - مولانا لکھتے ہیں :

بہرحال آج اپنے شورشِ قلبی سے مجبور ہو کر ایک بار اور کوششِ وصل کرتا ہوں لیکن ہجر مقدر ہو چکا ہے تو غیر از صبر چارہ نہیں -

معلوم نہیں اس خط کا کیا نتیجہ نکلے - ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ بھی بدگمانیوں کی نذر نہ ہو - تاہم خدائے علیم و بصیر میرے دل کو دیکھ رہا ہے کہ اس وقت ہر حرف جو لکھ رہا ہوں، کس عالم میں لکھ رہا ہوں - خدارا یقین کیجئے کہ سچائی اور صداقت، محبت و درد اور ایک گہرے حزن و ملال کے سوا اور کوئی چیز اس وقت میرے دماغ میں نہیں - - - -

آپ نے پونا میں پروفیسری قبول کرلی - حالانکہ خدا نے آپ کو درس و تعلیم مدارس سے زیادہ عظیم الشان کاموں کے لئے بنایا ہے - خدا کے لئے میری سنیے اور مجھے اپنا ایک مخلص بھائی تصور کیجئے - میں آپ کی عزت کرتا ہوں

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

اور خدا شاہد ہے کہ آپ کی محبت اپنے دل میں رکھتا ہوں۔ میں خود غرض ہوں اور میری غرض میری خواہش میں عنصر اصلی ہے۔ تاہم میری خود غرضی آپ کے لئے مضر نہیں بلکہ بہتر ہے۔ کیا حاصل اس سے کہ آپ نے چند طالب علموں کو فارسی و عربی سکھلادی۔ آپ میں وہ قابلیت موجود ہے کہ آپ لاکھوں نفوس کو زندگی سکھلا سکتے ہیں۔

میرے تازہ حالات آپ کو معلوم نہیں۔ گھر میں علالت میری موجودگی میں بڑھ گئی اور اب اس درجہ حالت ردی ہے کہ اپنی قسمت حیات کے فیصلے کو بہت تک پہنچا دی ہے۔ خود میری حالت ایسی ہے کہ خدا شاہد ہے کہ مسلسل چار گھنٹے کام نہیں کر سکتا۔ ورنہ آنکھوں میں تاریکی چھا جاتی ہے۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ الہلال ایک تحریک تھی، جس نے استعداد پیدا کی لیکن استعداد سے معًا کام لینا چاہیئے اور میں نے قطعی ارادہ کر لیا ہے کہ خواہ الہلال کی کچھ ہی حالت کیوں نہ ہو، کام شروع کر دیا جائے۔ چنانچہ شروع بھی کر دیا ہے۔ ایسی حالت میں قیامت ہے کہ اگر آپ باوجود استطاعت و طاقت رکھنے کے میری اعانت سے انکار کر دیں۔

آپ یاد رکھیئے کہ ان مصائب و موانع کی وجہ سے میں مجبور ہو پا بہ گِل رہ گیا تو قیامت کے دن یقینًا آپ اس کے ذمہ دار ہوں گے کہ آپ نے ایک بہت بڑے وقت کے ردعمل کو اپنی علیٰحدگی سے ضائع کر دیا۔

آپ آکر "الہلال" بالکل لے لیجیئے۔ جس طرح جی چاہے اسے ایڈٹ کیجیئے۔ مجھے سوا اس کے اصول و پالیسی کے (جس میں آپ مجھ سے متفق ہیں) اور کسی بات سے تعلق نہیں۔ میں بالکل آپ پر چھوڑ دیتا ہوں اور خود اپنے کاموں میں مصروف ہو جاتا ہوں۔ صرف اپنے مضامین تو دے دیا کروں گا اور کچھ تعلق نہ ہوگا۔ عربی کے لئے مولوی عبدالواجد کا وعدہ گریز کے لئے۔ ایک اور شخص آپ کے اسسٹنٹ ہوں گے وہ عَلَنًا وسِرًّا آپ کی ایڈیٹری میں روز اوّل سے ہو گا۔

ایک دقت یہ ہے کہ ہر کام کے لئے مالی شرائط کا اظہار ضروری ہے اور ایسا کیجیئے تو آپ کہتے ہیں۔ کہ طمع دلاتے ہو۔ استغفراللہ۔ لیکن میں یقین دلاتا ہوں۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

کہ بغیر کسی ایسی نیت کے، محض شرائط معاملہ کے طور پر چند امور عرض کرتا ہوں۔

سر دست آپ تشریف لے آئیں اور ایک سو تیس روپے منظور فرمائیں۔ تیس کلکتہ کے مصارف اور انتظام کے لئے ہیں۔ اس کے بعد ہر ماہ اس کا اضافہ ہوگا۔ یہاں تک کہ دو سو پورے ہو جائیں۔ پروف کریکشن کے لئے انور علی آگئے ہیں اور اب اس کے لئے کوئی زحمت نہیں، صرف ایڈیٹری کا معاملہ ہے۔ یہ ایک بہتر کام ہے جو الہلال کی گرفتاریوں کی وجہ سے میں شروع نہیں کرسکتا۔ اب اگر اور دیر ہوگئی تو سخت نقصان ہوگا اور اسی لئے میں نے آخری فیصلہ اس کی نسبت کرلیا۔ میں آپ کو پابند نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن اگر آپ خود چاہیں تو جتنی مدت کے لئے کہیں معاہدۂ قانونی بھی ہو جاسکتا ہے۔

آپ معاً وہاں استعفا دے دیں اور کلکتہ تشریف لے آئیں اور اس خط کا جواب لا ونعم میں بذریعہ تار دے دیں۔ مجھ کو پوری امید ہے کہ میری یہ سعی بے کار نہ جائے گی کیوں کہ میں سچے دل سے آپ کا طالب ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ سچی طلب و مودت ہمیشہ کامیاب ہوتی ہے۔ اگر مولانا شبلی کا خیال ہو کہ ان کے ذریعے سے پونا تشریف لے گئے ہیں، وہ مُصر تھے، اب ناراض ہوں گے تو میں خود ان سے اس معاملے کو صاف کرلوں۔ تاہم جو کچھ ہو جلد ہو۔"

لیکن معلوم ہے کہ سید صاحب نے الہلال کی ایڈیٹری کو محض ایک کاروباری معاملہ سمجھا اور کالج کی پروفیسری کو اس پر ترجیح دی۔ لیکن درحقیقت بات اتنی ہی نہ تھی سید صاحب کو الہلال سے بعض شکایات تھیں۔ نامناسب نہ ہوگا کہ ان پر بھی ایک نظر ڈالی جائے تاکہ مضمون کا یہ پہلو تشنۂ تکمیل نہ رہے۔

۱۔ مولانا آزاد سے سید صاحب کی پہلی ملاقات لکھنؤ میں اواخر ۱۹۰۵ء میں ہوئی تھی جہاں وہ آپس میں بے تکلفانہ اور برابر کی حیثیت سے ملتے تھے لیکن جب وہ آٹھ سال کے بعد کلکتہ میں ان کی دعوت پر الہلال کے اسٹاف میں شمولیت کے لئے گئے تو دونوں کی حیثیتوں میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ وہ اپنی خواہش کے مطابق تعین وقت کے بغیر مولانا سے ملاقات بھی نہ کرسکتے تھے۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

۲ - سید صاحب مدیر الہلال کے بلند مقام کا حسین تصور لے کر کلکتہ گئے تھے اور سمجھتے تھے کہ وہ الہلال میں سیاہ و سفید کے مالک اور اسٹاف کے حاکم ہوں گے لیکن وہاں ان کے منصب میں ان سے سینئر ارکان شریک تھے۔

۳ - ان کے تصور میں مدیر کا کام صرف یہ تھا کہ وقت کے حالات و مسائل پر، نیز علمی موضوعات پر شذرات و مقالات لکھ کر دے ——— ورکام ختم ہوا لیکن وہاں انہیں بہ اکراہ پروف ریڈنگ بھی کرنی پڑتی تھی۔ حالانکہ یہ صرف وقتی بات تھی۔

۴ - سید صاحب اپنی علمی صلاحیتوں کی بدولت اس وقت تک ایک خاص حلقے کی توجہ کا مرکز ضرور بن گئے تھے اور علمی مقالات لکھنے کے لئے انہیں کسی رہنمائی کی ضرورت نہ تھی لیکن ان کی اخباری زندگی کا یہ بالکل آغاز اور پہلا تجربہ تھا اور خاص اخباری نقطۂ نظر سے ان کی تحریریں اصلاح و ترمیم کے بغیر نہ چھپ سکتی تھیں۔ سید صاحب کو اس بات کا احساس نہ تھا۔

۵ - بعض اوقات انہیں الہلال کے لئے کتابوں سے نقل و اقتباس، مواد کی فراہمی اور ترجمہ کا کام بھی کرنا پڑتا تھا۔ اس بات کو بھی وہ اپنے بلند مقام سے فروتر سمجھتے تھے۔

۶ - عام اخبارات کی روایت کے مطابق مختلف اخبارات کے ترجمے، شذرات نویسی، افتتاحیہ نویسی اور ترتیب و تالیف کے دیگر کاموں میں اسٹاف کے ارکان کا نام نہ آتا تھا۔ سید صاحب کو یہ بات بھی پسند نہ تھی کہ وہ الہلال کے ادارے میں گم ہو کر رہ جائیں۔

۷ - سید صاحب کا ایک مقالہ افتتاحیہ "شہیدِ اکبر" کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس وقت کے حالات میں وہ بہت پسند کیا گیا، اس کی خوب شہرت ہوئی۔ لیکن یہ شہرت صرف الہلال کے ایک مقالے کی تھی۔ چونکہ مقالے پر سید صاحب کا نام نہ چھپا تھا اس لئے اس شہرت میں سید صاحب کا نام نہ تھا۔ سید صاحب اس احساس سے قلب کو محفوظ نہ رکھ سکے۔

۸ - ٹھیک اسی زمانے میں بعض انگریزی الفاظ کے عام اور اصطلاحی ترجمے کے

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

بارے میں مولانا عبدالماجد دریابادی اور مولانا آزاد میں نزاع کی صورت پیدا ہوگئی۔ سید صاحب اس بحث میں مولانا دریابادی کے ہم خیال تھے اور پسند نہ کرتے تھے۔ کہ بحث ایک خاص انداز اختیار کرے لیکن اخبار کی پالیسی اور کسی مضمون یا مراسلے کی اشاعت یا عدم اشاعت کے فیصلے کا انہیں اختیار نہ تھا۔ وہ اس معاملے میں اپنے آپ کو بے دست و پا محسوس کرتے تھے۔

۹ - الہلال میں سید صاحب کو جو امور انجام دینا پڑتے تھے، اس کے بعد علم وتحقیق کے کاموں کے لئے وقت نہ بچتا تھا۔ چنانچہ سید صاحب نے جو تین چار پانچ مہینے الہلال میں گزارے ان میں وہ بہت کم علمی کام کرسکے اور ایک دو مضمون ہی ان کے نام سے نکل سکے۔

۱۰ - انہی دنوں علامہ شبلی مرحوم کی کوششوں سے انہیں پونا کالج میں عربی فارسی کی اسسٹنٹ پروفیسری پیش کی گئی۔ ان شکایات کی موجودگی میں کالج کی ملازمت کی پیش کش نے انہیں خاص طور پر متاثر کیا اور انہوں نے الہلال کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کرلیا۔ لیکن ان تمام شکایات میں بنیادی وجہ یہ احساس تھا کہ ادارت اور مولانا آزاد کی معاونت کا منصب ان کے مقام جلیل و رفیع سے فروتر تھا اور وہ اسے زیادہ دنوں تک گوارا نہ کرسکتے تھے۔ مرحوم کے اس مزاج نے انہیں زندگی بھر پریشان کیا اور کسی جگہ بھی وہ ٹک کر اور دل جمعی کے ساتھ کام نہ کرسکے۔ الہلال میں خدمات، پونا کالج کی ملازمت، دارالمصنفین میں کاروان علوم و معارف اور قافلہ تصنیف و تحقیق کی رہنمائی، بھوپال میں قاضی القضاۃ کا منصب اور سرکاری دارالعلوم کی سربراہی اور آخر میں شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رح کی جگہ منصب شیخ الاسلامی کے لئے پاکستان کے سفر اور دستور سازی میں مشورہ و رہنمائی سے ان کا عدم اطمینان اور بے چینی کے پس منظر میں سید صاحب کے اسی مزاج کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ انہیں یہ احساس زندگی بھر رہا کہ ان کے علم وفضل کے مطابق زمانے نے ان کی قدر نہیں کی اور انہیں ہر دور میں ان کے مقام سے فروتر کاموں کے لئے دوسرے ہاتھوں کے سپرد کیا جاتا رہا۔ پاکستان میں تو گویا جان بوجھ کر ان کی ناقدری کی گئی۔ ان کا مقام اس سے بہت بلند تھا کہ وہ پاکستان

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com